بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

پیش نظر رسالہ کے مطالعہ سے پہلے راقم سطور مناسب سمجھتا ہے کہ صاحب رسالہ کے بارے میں کچھ توضیحی و تعارفی کلمات ناظرین کی خدمت میں پیش کردے تاکہ اس مقالہ و رسالہ کے مقاصد و محرکات اور صاحب رسالہ کی ذات کے بارے میں کسی غلط فہمی اور قیاس آرائی کا (امکانی حد تک) موقعہ نہ رہے،

صاحب مقالہ مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کا عام عرب حکومتوں اور ممالک اور خاص طور پر مملکت عربیہ سعودیہ سے پہلے دن سے اس رسالہ کی تحریر کے وقت تک خالصتہً ایک داعیانہ اور بے غرضانہ تعلق و رابطہ رہا ہے، انھوں نے اپنی ذات یا ان اداروں کے لیے جن سے ان کا ذمہ دارانہ تعلق ہے، ان سے کبھی ذاتی منفعت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی، اس سلسلہ میں انھوں نے جس احتیاط، استغنا اور خودداری سے کام لیا ہے، وہ ان کے قریب ترین احباب اور نیازمندوں کے علم میں ہے اور اندازہ ہے کہ مولانا اس کے اظہار و اعلان کو ناپسند فرمائیں گے، اس لیے ان کی تفصیل اور مثالیں دینے کے بجائے صرف دو حقیقتوں کا اظہار کیا جارہا ہے جن کا کسی درجہ میں لوگوں کو علم ہے، ایک تو یہ کہ وہ جب حکومت سعودیہ کے ان اداروں کی دعوت پر (جن کے وہ سالہا سال سے ممبر چلے آرہے ہیں) حجاز مقدس کا سفر کرتے ہیں تو وہ حکومت کے ان شاندار ہوٹلوں میں ٹھہرنے اور براہ راست اس کے مہمان ہونے کے بجائے اپنے ہندوستانی اہل تعلق کے یہاں بے تکلفانہ اور سادہ طریقہ پر قیام کرتے ہیں، اور آمد و رفت کے سلسلہ میں بھی انھیں کے وسائل سے کام لیتے ہیں، اور ان کمیٹیوں کا جن کے وہ عرصۂ دراز سے رکن چلے آرہے ہیں، اکرامیہ (HONORARIUM) بھی قبول نہیں کرتے، جو ارکان کو پیش کیا جاتا ہے

یہ بات بہت سے واقفین کے علم میں ہوگی کہ جب مولانا کو ۱۹۸۰ء میں فیصل ایوارڈ دیا گیا جو ممالک اسلامیہ میں وہ حیثیت رکھتا ہے جو مغرب میں نوبل پرائز کی ہے اور جس کی مقدار ہندوستانی حساب سے کئی لاکھ ہوتی ہے، تو انھوں نے یہ پوری رقم خود حجاز مقدس کے تعلیمی اداروں اور ایک بیرونی ملک کی اسلامی جدوجہد کو عطا کردی، اور اس کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ جز بھی ان کے استعمال میں نہیں آیا،

www.abulhasanalinadwi.org

ان حقائق کا اضطراری طور پر اس لیے ذکر کیا گیا، کہ اس مقالہ کو جو خالص دینی حمیت اور اسلامی جذبہ سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے، کسی مادّی غرض یا مقصد پر محمول نہ کیا جائے، یہ خالص غیر جانب دارانہ معروضی (OBJECTIVE) انداز کا اظہار خیال ہے اور اسی نظر و ذہن سے اس کا مطالعہ کیا جائے

(ڈاکٹر) محمد یونس نگرامی
(جنرل سکریٹری)
مسلم انٹلیکچول فورم، لکھنؤ

۷ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۷ ستمبر ۱۹۹۰ء

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عالمِ عربی کا تازہ المیہ

اور

اس کا دینی، اخلاقی، اصولی و دعوتی نقطۂ نظر سے مطالعہ و جائزہ

ماہ جولائی ۱۹۹۰ء کے آخر تک "پیام انسانیت" کا کام (اپنے محدود امکانات و وسائل کے ساتھ) سرگرمی سے ہو رہا تھا، ۱۷ / مارچ ۱۹۹۰ء کو دہلی کا تاریخی بلکہ تاریخ ساز کنونشن اور ۲ / جولائی کو لکھنؤ کا کامیاب جلسہ اس کا ایک نمونہ تھے، ملک کے متعدد بڑے شہروں اور اہم مقامات پر بھی "پیام انسانیت" کا جلسہ منعقد کرنے کے تقاضے اور مطالبے آرہے تھے، اور لوگ مشتاق تھے، اس تحریک کی غیر مسلم دانشوروں، صاف ذہن کے سیاسی رہنماؤں اور صاحب ضمیر برادران وطن میں اچھی خاصی پذیرائی تھی اور اس کے روشن امکانات تھے کہ ملک کا ضمیر جاگ اٹھے اور اس غیر فطری صورت حال کو (جو فرقہ وارانہ فسادات اور خوں ریزی کی شکل میں ظاہر ہو رہی تھی) تبدیل کرنے کی سنجیدہ اور منظم کوشش کی جائیں۔

اسی کے ساتھ (ملت اسلامیہ ہندیہ کے حال و مستقبل کے لحاظ سے) ایک بڑی کامیابی کی بات اور خوش آئند پہلو یہ تھا کہ مسلمان اس ملک میں ایک بار پھر داعی حق، محافظ انسانیت، اور معلم اخلاق کی حیثیت سے سامنے آئے تھے، جس سے یہ امید کی جاسکتی تھی کہ مسلمانوں کو اس ملک میں پھر بجا طور پر قیادت کا مقام حاصل ہو، اور ان کو ملک کا نجات دہندہ، اور اس کو تباہی سے بچانے والا باور کیا جائے کہ خدمت انسانیت اور سچی حب الوطنی کا یہ محاذ عرصہ سے خالی تھا اور مسلمان جو خدا کے "ربّ العالمین" ہونے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے "رحمۃ للعالمین" ہونے پر عقیدہ رکھتے ہیں اس محاذ پر سب سے زیادہ کامیاب ہو سکتے ہیں اور اس جدوجہد کے

www.abulhasanalinadwi.org

نتیجہ میں ان کے بارہ میں ان سب غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا پردہ چاک ہو جائے جو غلط تاریخ اور سیاسی اغراض نے ڈال دیا ہے، اسی کے ساتھ ملک بھی اس خطرہ سے بچ جائے گا جو فرقہ وارانہ فسادات، ظلم و تشدد کی، اور خدا کے غضب کو بھڑکانے والے افعال و واقعات کی وجہ سے اس کے سر پر منڈلا رہا ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی خوش آئند اور امید افزا تھی کہ عالم عربی جو اسلام کا داعی اوّل مقامات مقدسہ کا امین و متولی اور احترام انسانیت، عدل و مساوات اور امن و سکون کی دعوت و کوشش کی پہلی کامیاب تجربہ گاہ ہے عرصہ دراز سے امن و سکون باہمی اعتماد و احترام اور خوش حالی و رفاہیت کی زندگی گزار رہا ہے، اور وہ ہر وقت اس حال میں ہے کہ دنیا کو پھر احترام انسانیت، بقائے باہم اور ایک دوسرے کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرنے کی دعوت دے، اور اس کے لیے عالمی اسٹیج پر آئے اور پھر انسانیت کے امام و قائد کا منصب سنبھالے۔

جولائی ۱۹۹۰ء کے آخر تک یہی صورت حال قائم تھی امیدوں کے چراغ روشن تھے، اور اصلاح و دعوت کا کام کرنے والوں کے سر اونچے اور نگاہیں بلند تھیں، کہ اچانک ۲ اگست کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے نہ صرف احترام اور حفاظت انسانیت کی دعوت دینے والوں کے بلکہ پوری ملت اسلامیہ کے (ہندوستان کے اندر اور ہندستان سے باہر) سر خم، آنکھیں نیچی اور پیشانی عرق آلود ہو گئی، راقم کو اسلامی تاریخ کے ایک طالب علم اور مصنف کی حیثیت سے یاد نہیں کہ صدیوں سے مسلمانوں کو من حیث القوم ایسی شرمندگی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑا ہو، واقعہ کی سنگینی اس وجہ سے اور بڑھ جاتی ہے کہ یہ واقعہ بلادِ عربیہ میں پیش آیا جہاں سے احترام انسانیت، عدل، احسان شناسی اور شرافت اور کمزور کی حمایت و حفاظت کی عالمی تحریک و دعوت نمودار ہوئی تھی۔ راقم کی مراد عراق کا کویت پر اچانک حملہ ہے جو ایک صاعقہ اثر خبر کی طرح دنیا کے ذرائع ابلاغ و پریس نے نشر کی، اس واقعہ کی سنگینی اور اس کے انسانی اور اسلامی ضمیر پر بار ہونے کے متعدد وجوہ تھے۔

۱۔ عراق کے جیسے بڑے اور طاقتور ملک نے جو حال ہی میں ایران جیسے عظیم و وسیع ملک سے

www.abulhasanalinadwi.org

جنگ میں کامیاب ہوچکا تھا کویت کی جیسی چھوٹی ریاست پر حملہ اور اس پر قبضہ کرکے ایک ایسی خراب نظیر قائم کی جو نہ صرف یہ کہ اسلام کی اخلاقی تعلیم و روایات سے مطابقت نہیں رکھتی بلکہ انسانی ضمیر اور اصول اخلاق کے لحاظ سے بھی ایک مذموم اقدام اور "قزاقی" کے مرادف ہے، پھر اس میں مزید سنگینی کا پہلو یہ ہے کہ حملہ آور ملک اور جس علاقہ پر حملہ کیا گیا دونوں مسلمان بھی ہیں اور عرب بھی، مزید برآں یہ کہ ایک ایسے ملک نے اس ریاست پر حملہ اور اس پر قبضہ کیا جس نے قریب ترین ماضی میں اس کی فیاضانہ مدد کی تھی اور جس کا کوئی ایسا قصور نہ تھا جس کی اس کو اس طرح سزا دی جائے۔

۲۔ پھر عراق کے کویت پر اس کامیاب حملہ اور قبضہ کے نتیجہ میں وہ ساری قباحتیں اور شرمناک واقعات پیش آئے جن کا ایسے حملہ اور فتوحات میں حملہ آور فوجوں کے ہاتھوں تجربہ کیا گیا ہے، اور جس کو قرآن مجید نے ملکۂ سبا کی زبان سے ادا کئے ہوئے لفظوں میں نقل کرکے قیامت تک کے لیے اس کی صداقت پر مہر لگادی ہے۔

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ۝ (سورہ نمل آیت ۳۴)

بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کردیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کردیا کرتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی کریں گے

۳۔ پھر عراق کے فوجی قائد و حکمراں صدام حسین نے ایران کی ان سب شرطوں اور دعاوی کو جن کی بنا پر ایران سے سالہا سال ایک طویل اور خونریز جنگ ہوتی رہی جس کے نتیجہ میں طرفین کے لاکھوں آدمی لقمۂ اجل بنے اپنے "کارنامہ" پر خود پانی پھیر دیا اور ان لاکھوں مقتولین کے ساتھ ناانصافی کی جو اس جنگ میں مارے گئے اور جن کے متعلق پوچھا جاسکتا ہے کہ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ"، [1]

ہم جب قرآن مجید کی یہ آیت پڑھتے تھے:۔

وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا ۝ (سورہ الفرقان آیت ۲۳)

اور جو انھوں نے عمل کئے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے، تو ان کو اڑتی خاک کردیں گے۔

---

[1] برطانیہ کے وزیر خارجہ نے بعینہٖ یہ بات کہی کہ پھر اُن مقتولین کا کیا قصور تھا جو اس جنگ میں مارے گئے، کیا یہ اُن کے ساتھ ناانصافی نہیں ہے؟

www.abulhasanalinadwi.org

تو سمجھتے تھے (اور یہ صحیح بھی ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آخرت کے انجام اور بہت سے لوگوں کے ساتھ جنھوں نے رضائے خداوندی کے لیے صحیح اصولوں پر کارنامہ انجام نہیں دیا، اپنے معاملہ اور جزا کا ذکر کیا ہے، معلوم ہوا کہ یہ دنیا میں بھی پیش آسکتا ہے اور خود صاحب عمل اپنے عمل کے ساتھ یہ معاملہ کرسکتا ہے، کہ وہ کوئی متضاد طرز عمل اختیار کرکے اپنے کارنامہ پر پانی پھیر دے اور اس کو گرد و غبار بنا دے۔

۴۔ صدام حسین کی قوت ارادی، کامیاب فوجی تنظیم، اور قیادت سے بعض خوش گمان حلقوں میں یہ اُمید قائم ہونے لگی تھی کہ شاید وہ عالم عربی کی قیادت کے اس خلا کو پُر کرسکیں جو عرصہ سے پایا جاتا ہے، اور خدا ان سے کوئی ایسا کام لے جس کے ذریعہ مسلمانوں اور عربوں کی عزت بحال ہو، اور تعجب نہیں کہ وہ اپنی تمام توجہات صلاحیتوں اور امکانات کو جمع کرکے اسرائیل کے خلاف محاذ آرا ہوں، اور شاید خدا ان کو اس کی توفیق دے کہ وہ پورے اخلاص اور خدمت اسلام کے اس جذبہ کے ساتھ جو السلطان المظفر، البطل الناصر لدین اللہ، صلاح الدین ایوبیؒ کے سینہ میں موجزن تھا اور جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کھلی ہوئی نصرت ہوئی، وہ مسجد اقصیٰ اور فلسطین کو واپس لینے اور اسرائیل سے صف آرائی کی کوشش کریں، لیکن یہ موقعہ نہیں آیا تھا کہ انھوں نے بجائے اسرائیل کے ممالک عربیہ اسلامیہ کے اندر ایک نیا محاذ کھول دیا، اور اپنے بارہ میں مسلمانوں کے اعتماد و توقعات کو متزلزل بلکہ ختم کردیا۔

۵۔ کویت پر اس حملہ اور عرب و مسلمان سربراہان مملکت اور قائدین کے مشوروں اور اندیشوں سے بالکل کان بند کرلینے سے یہ خطرہ بھی پیدا ہوگیا ہے کہ خدانخواستہ وہ کہیں جزیرۃ العرب اور مملکت سعودیہ کی طرف (جو حرمین شریفین کی متولی، خادم اور محافظ و امین ہے اور جس نے حجاز مقدس میں امن و امان قائم کرنے، حجاج کی جان و مال کے تحفظ، وسائل زندگی کی فراہمی، خاص طور پر پانی کی فراوانی اور آمد و رفت کی سہولت کے سلسلہ میں وہ تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے جس کی صدیوں کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی) طمع کی نگاہ نہ اٹھائیں، اور وہ ان کی حوصلہ مندی اور اقتدار پسندی کا نشانہ نہ بن جائے، جو کسی فوجی کامیابی اور فوجی طاقت کی موجودگی میں کوئی قابل تصور اور ناممکن العمل چیز نہیں ہے، علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں ایک بڑی تاریخی حقیقت بیان

www.abulhasanalinadwi.org

کی ہے، جس کی تصدیق خود عراق کے کویت پر حملہ کرنے سے بھی ہوتی ہے ؎

تاریخ اُمم کا یہ پیام ازلی ہے ۔۔۔ صاحب نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک

اس اندیشہ کے نتیجہ میں، جو اقتدار پسندی کی تاریخ میں کوئی نایاب واقعہ نہیں، حکومت سعودیہ کو امریکہ اور برطانیہ سے مملکت کے تحفظ کے لیے فوجی امداد طلب کرنی پڑی اور دنیا کے عام مسلمانوں بالخصوص اس تحتی بر اعظم کے مسلمانوں کو (جنھوں نے مغربی اقتدار کا تجربہ کیا ہے) اس موقعہ پر یہ تمنا ہوئی کہ کاش خود مسلم ممالک اس قابل ہوتے کہ وہ جزیرۃ العرب اور حرمین شریفین کی حفاظت کے سلسلہ میں مملکت سعودیہ کے لیے اپنی بہترین خدمات پیش کر سکتے اور اس کی حفاظت کو اپنے ملک کی حفاظت سے بھی زیادہ ضروری اور قرب خداوندی و خوشنودی رسولؐ کا ذریعہ سمجھتے۔

۶۔ اگر عراق کے کویت پر حملہ کرنے اور کسی دوسرے عرب ملک کی طرف بھی حوصلہ مندی کی نگاہ اٹھانے کے جواز میں یہ کہا جائے کہ ان بلادِ عربیہ اور ان خلیجی ریاستوں کی زندگی خود ایسے اقدامات اور تادیبی کارروائیوں کی عرصہ سے دعوت دے رہی تھی اور یہ وہاں کی "مُترفانہ" و مُسرفانہ زندگی کا نتیجہ ہے، جس کی تصدیق قرآن و حدیث کے بیانات و تنبیہات سے ہوتی ہے، تو راقم معذرت کے ساتھ اور اضطراراً کہے گا کہ اس صدی کے نصف آخر میں (۱۹۴۰ء ــ ۱۹۹۰ء) عربوں کی زندگی پر نہ صرف بلادِ عجم میں بلکہ عالم عربی میں بھی کسی نے اتنی تنقید نہیں کی اور اس کے بارہ میں اتنی صاف گوئی اور جرأت سے کام نہیں لیا، جس کی خدا نے اپنے اس گنہگار بندہ کو توفیق دی لے

لے اس کی تصدیق کے لیے ملاحظہ ہوں راقم کے رسائل کے مجموعے "العرب والإسلام" (عرب و اسلام کا باہمی تعلق) "إلى الاسلام من جديد" (عربو! اسلام کی طرف از سرِ نو توجہ کرو اور اس کی قیادت سنبھالو) "المسلمون و قضيّةُ فلسطين" (مسلمان اور مسئلۂ فلسطین) "كيف ينظر المسلمون إلى الحجاز وجزيرة العرب" (مسلمانانِ عالم حجاز اور جزیرۃ العرب کو کس نظر سے دیکھتے ہیں اور کیا توقع رکھتے ہیں؟) نیز جدّہ کی تازہ ترین تقریر "حاجة العالم إلى مجتمع إسلامي مثالي أفضل" (آج دنیا کی سب سے بڑی ضرورت ایک اسلامی، مثالی بہترین معاشرہ اور ماحول ہے) خاص طور پر اس کی ریڈیو کی تقریریں۔ اسمعی یا مصر! (اے مصر سن) (اسمعی یا سوریۃ (اے شام سن)، (اسمعی یا زہرۃ الصحراء) (الکویت) (سن لے لالۂ صحرائی) (کویت) اسمعوہا منّی صریحۃ أيها العرب (اے عربو! صاف صاف سنو) نیز کارثۃ العالم العربي (دنیائے عرب کا المیہ)

www.abulhasanalinadwi.org

لیکن اس کا یہ علاج نہیں تھا کہ ایک بڑا ملک ایک چھوٹی ریاست پر ادھا دھند حملہ کر دے اور اس پر بلا کسی اصلاحی مقصد اور دعوت کے اپنا قبضہ جمالے، اس کا علاج صحیح اسلامی دعوت و تحریک، احیائے دین کی سنجیدہ اور مخلصانہ کوشش، اپنی جگہ پر صحیح اسلامی نظام حکومت اور طرز معاشرت کا قیام، صالح نظام تعلیم و تربیت (جو نئی نسل کو اسلام کے سانچہ میں ڈھالنے کی خدمت انجام دے سکے) اور ایک معیاری و مثالی اسلامی معاشرہ اور ماحول کی موجودگی ہے جو دنیا کے لیے جاذبِ نظر اور قابل رشک ہو، افسوس ہے کہ حملہ آور عراق کے پاس (ہماری معلومات میں) ان میں سے کوئی امتیاز و خصوصیت نہیں پائی جاتی تھی اس لیے اس کا کوئی شرعی و اخلاقی جواز نہیں تھا۔

جہاں تک راقم سطور کی حقیر ذات کا تعلق ہے اس کے دل و دماغ پر اپنی شعوری زندگی میں کسی حادثہ کا ایسا اثر نہیں پڑا جتنا اس حادثہ کا، اس لیے کہ تقدیر خداوندی اور توفیق الٰہی کے نتیجہ میں اس نے لکھنے پڑھنے اور خطاب و تحریر کی صلاحیت پیدا ہونے کے بعد سے اپنی محدود صلاحیتوں اور فرصتوں کا اصل میدان عالم عربی ہی کو بنایا اور مخاطب عربی اقوام و ممالک کو، اس کی اکثر اہم تالیفات و تحریریں اصلاً و ابتداءً عربی ہی میں وجود میں آئیں، اور دوسری زبانوں میں ان کا ترجمہ ہوا، اس کو ایک اظہارِ حقیقت اور تحدیث بالنعمہ کے طور پر اقبال کے بلیغ الفاظ میں یہ کہنا پڑتا ہے ؎

مرا ساز گرچہ بستم رسیدۂ زخمہائے عجم رہا!
وہ شہیدِ ذوقِ وفا ہوں میں کہ نوا مری عربی رہی

اس لیے اس حادثہ فاجعہ سے اور اس کے نتیجہ میں قریب کے عرب ممالک اور خاص طور پر جزیرۃ العرب کی محبوب سرزمین، مقامات مقدسہ اور حرمین شریفین کے لیے جو خطرات پیدا ہو گئے ہیں، اس سے دماغ کے ساتھ دل پر بھی ایک بڑی چوٹ لگی ہے کہ ؎

اسی گھر میں جلایا ہے چراغِ آرزو برسوں!

یہ حقیقت بھی ناظرین کے پیش نظر رہے کہ صدر صدام حسین کا تعلق شروع سے مشہور قوم پرست عرب تحریک البعث العربی سے رہا ہے، جس کے صدر ایک شامی عیسائی پروفیسر میشیل عفلق تھے جنھوں نے زندگی کے آخری دن عراق ہی میں گزارے اور حال میں ان کا انتقال ہوا، اس تحریک کا آغاز ۱۹۴۳ء سے ہوا، اور ۱۹۴۷ء میں وہ ارتقاء اور عروج کے مرحلہ پر پہونچی، اس تحریک کا بنیادی مقصد اور

www.abulhasanalinadwi.org

فلسفہ یہ ہے کہ "عرب بذات خود ایک وحدت (اکائی) ہیں، ان کے درمیان جو دینی، اعتقادی، ثقافی اور سیاسی امتیازات ہیں وہ سب مصنوعی اور عارضی ہیں جو عرب احساس قومیت کی بیداری کے بعد خود بخود زائل ہو جائیں گے"، اس تحریک و جماعت کا نعرہ اور دستور العمل ہے کہ العرب امۃ واحدۃ ذات رسالۃ خالدۃ (عرب ایک مستقل واحد امت ہیں جو ایک دائمی پیغام رکھتے ہیں) یہ تحریک عربوں کو ماقبل اسلام دور (جاہلیت عربیہ) کی طرف لے جانا چاہتی ہے، جب نہ ان کے پاس نیا دین آیا تھا اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ نیا پیغام اور شریعت ان کو ملی تھی، یہ تحریک دورِ جاہلیت کے سورماؤں اور ان مشہور شخصیتوں کو اپنا ہیرو سمجھتی ہے، جن کا عربی جاہلی شاعری اور تاریخ میں عظمت کے ساتھ نام آیا ہے، اور وہ ان پر فخر کرنے اور ان کے نام کو زندہ رکھنے کی تلقین کرتی ہے، اس کے ارکان نے اسلام سے مستغنی ہو کر اپنی زندگی کے لیے ایک نیا اصول اور فلسفۂ حیات وضع کیا ہے جو آزاد قومیت عربیہ اور سیاسی و مادی اغراض سے میل کھاتا ہے اس کے پورے دستور میں کہیں اسلام کا نام نہیں آیا، اہل نظر اور واقفین حال کے نزدیک یہ صلیبی مسیحی تحریک کا ایک سوچا سمجھا منصوبہ اور عربوں کا رشتہ اسلام سے کاٹنے کی ایک گہری سازش ہے، جس کے اثرات شام کے جیسے شاندار اسلامی تاریخ رکھنے والے ملک میں موجودہ حکومت کے زیر سایہ (جس کا بعث پارٹی ہی سے تعلق ہے) دیکھے جا سکتے ہیں جہاں بے تکلف مسجدیں گرائی گئیں، اہل دین اور اہل علم کو ملک چھوڑ کر باہر جانا پڑا اور اسلام پسند تحریکوں اور جماعتوں پر پابندی عائد کی گئی، اور اسی کے آثار کویت میں بھی نمایاں ہونے لگے ہیں، اور اسی کا خطرہ ہر اس ملک میں ہے جو خدانخواستہ اس کے زیر اقتدار ہو جائے [1]

جہاں تک جزیرۃ العرب، حجاز مقدس اور حرمین شریفین (زادھما اللہ شرفاً وحرمۃً) کا تعلق ہے ان کے مستقبل ان کی حرمت و عزت کی بقا اور ان کی حفاظت کے غیبی سامان کی طرف سے مایوسی نہیں ہے کہ وہ اللہ کے اس آخری دعالمی دین کا مطلع و منبع بھی ہیں اور ملجا و ماوی بھی، اور قرآن و تاریخ شاہد ہیں کہ وہ واقعۂ فیل اور ابرہہ کے لشکر کے حملہ کے بعد سے سلطنت عثمانیہ کے (جس کا

---

[1] البعث العربی کے فلسفے اور عزائم اور اس کے طریق فکر کو سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الحرکات القومیۃ الحدیثہ فی میزان الاسلام تالیف منیر محمد نجیب ص ۳۳-۴۵ مکتبۃ المنار الاردن

www.abulhasanalinadwi.org

سلطان و خلیفہ اپنے کو خادم الحرمین الشریفین کہتا اور سمجھتا تھا) ضعف و زوال اور مغربی طاقتوں کے اثر و اقتدار کے بعد بھی وہ کس طرح محفوظ اور باعزت رہے، اور مسلمان ان کی عزت و آبرو کو اپنے اہل و عیال اور اپنے ملک و وطن کی عزت و آبرو پر ترجیح دیتے رہے، اور آج بھی دنیا کے مسلمانوں کے کانوں میں اقبال کے لفظوں میں یہ صدا آرہی ہے ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

خدا کی رحمت سے اس کا جو معاملہ اپنے آخری اور مقبول دین اسلام کے ساتھ رہا ہے اور اس کی تاریخ شاہد ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ خوف و ہراس اور شک و شبہ کی ان تاریکیوں میں سے سکون و اطمینان، شرف و عزت، دعوتِ حق و حفاظتِ انسانیت کی نئی روشنی طلوع فرمائے گا، اور اسلام کے ان داعیان اوّل اور حاملین قرآن اور حرم کے پاسبانوں سے پامال و تباہ حال انسانیت کا نمائندہ و ترجمان کہہ سکے گا ؎

عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیِ افرنگ
معمارِ حرم باز بہ تعمیرِ جہاں خیز

لیکن اس کے لیے نہ صرف ممالک عربیہ کو بلکہ ممالک اسلامیہ اور مسلم معاشروں کو اپنی سیرت، اپنے طرزِ زندگی، اپنے نظامِ حیات اور اپنے اخلاق و کردار میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہوگی، اور ان کو اسلام کے سانچہ میں ڈھالنا ہوگا، اسلام کی صداقت و ابدیت پر نیا ایمان و یقین اور اس کے ابلاغ اور اس کا عملی نمونہ دکھانے کا عزم و جوش پیدا کرنا ہوگا، اور وہ زندگی اختیار کرنی ہوگی جس پر اللہ کی طرف سے رحمت و نصرت کا وعدہ ہے اور اس طرزِ زندگی اور اعمال و اخلاق سے بچنا ہوگا، جو خدا کی رحمت و نصرت سے محروم کرنے والے ہیں، وصدق اللہ العظیم:۔

وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ (سورۃ الحج آیت ۴۰)

اور جو شخص خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی ضرور مدد کرتا ہے، بے شک خدا توانا اور غالب ہے۔

ابوالحسن علی ندوی

www.abulhasanalinadwi.org